بانگِ درا کا پہلا مکمل انگریزی ترجمہ: اغلاط کا دفتر

جسٹس جاوید اقبال نے ''عبرتناک ترجمے'' کی تحسین کی ہے

پروفیسر ڈاکٹر تحسین فراقی

[بانگ درا کا پہلا مکمل ترجمہ ڈاکٹر ایم اے کے خلیل نے Call of the Marching Bell کے نام سے کیا۔ اس ترجمے پر جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے دیباچہ لکھا اور تحسین ان الفاظ میں کی:

This translation and commentary bridges this long felt gap. The book contains very useful background information on "Allama Iqbal and Islam in Chapter 1-3. Similarly, Appendices I and II provide concise though comprehensive, information on all the luminaries of Islam and other prominent personalities and concepts mentioned in this book. As the knowledge of Islam, Islamic history and world history from the Muslim perspective is a pre-requisite for proper comprehension of "Allama Iqbal's works this need has been fully satisfied in the above portions of the book and in "Introductions" and "Explanatory Notes" of individual poems. The author has rendered valuable service to Islam and to Iqbal studies by enabling the English knowing admirers of Allamah Iqbal to understand him. The organization of the book has greatly enhanced the literary beauty and usefulness of Bang-i-Dara. The book fulfills a great need of the time. Usually such translations and

commentaries are produced by scholars of literature, philosophy and mysticism. This book has an added dimension of being enriched by the author's interjection of the concepts of physical and biological sciences at appropriate places to explain mystic thought. The book will go a long way in opening the doors of "Allamah Iqbal's thought to the reader. For the above reasons, the above benefits of the book will equally extend to those who know Urdu and Persian. The author deserves congratulations for the successful accomplishment of his objectives, I recommend it strongly to all those who want to benefit from the wisdom of "Allamah Iqbal." [Page No.5 from preface of "Call of the Marching Bell"]

کتاب کی تقریب رونمائی ہوئی تو ڈاکٹر تحسین فراقی نے ترجمے کے بخیے ادھیڑ دیے اور اسے عبرتناک ترجمے کے ساتھ ساتھ دفتر بے معنی قرار دیا۔ نہ صرف ترجمہ بلکہ حاشیوں میں مترجم نے جو غلط سلط معلومات مہیا کی ہیں تحسین فراقی نے ان معلومات کا پردہ بھی نہایت سفاکی اور شگفتگی سے چاک کیا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال تقریب کی صدارت فرما رہے تھے اور خجالت ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ فرزند اقبال، اقبال کی شاعری کے ترجمے کو پرکھنے سے قاصر رہے اور اغلاط کے اس دفتر کو اقبال شناسی کے لیے سنگ میل قرار دیا۔ وجہ صرف یہ ہے کہ فرزند اقبال فارسی زبان سے ناواقف ہیں۔ وہ اقبال کے پیغام اور زبان سے بھی واقف نہیں، وہ ترجمے کی نزاکتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ وہ عربی زبان سے بھی ناواقف ہیں۔ اس کے باوجود وہ کلام اقبال اور فکر اقبال کے ساتھ ساتھ اسلام کے شارح اور مجتہد مذہب کہلانے پر مصر بھی ہیں، ان کی پہلی تصنیف Ideology of Pakistan and its Implementation فیلڈ مارشل ایوب خان کی خواہش پر تحریر کی گئی۔ اس کتاب میں عربی اور فارسی کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں تھا۔ Freeland Abbot نے اپنی کتاب Islam and Pakistan میں اس کتاب کی علمی وقعت پر گہرا نقد کیا ہے۔ ایبٹ نے اپنی کتاب میں خواجہ عبدالوحید کے روزنامہ الاسلام کراچی میں شائع شدہ نقد کا حوالہ بھی دیا ہے۔ ایبٹ کے الفاظ میں:

Javid Iqbal's book, in response to Ayub Khan's request, is really a commentary on his father's writings, although it is written from a background of law and politics rather than from one of poetry and philosophy. It has been harshly criticized by the traditionalists, who point out that in the entire book he "does not quote any Arabic or

Persian authority of which he has a first-hand knowledge." "God knows," one reviewer wrote, "where our Intelligentsia learnt to dabble in subjects which they have never studied ..... But our Intelligentsia are ever ready to speak out with authority on any and every subject. A writer on the Law of Islam should be fully conversant with the legal literature of Islam which, unfortunately for our Intelligentsia, is enshrined in books written in Arabic, Persian and Urdu while English is the only language our Intelligentsia, are interested in." The revolt against discipline seems also to involve not so much a revolt against but a changed attitude toward some of the traditional languages in which Muslim religious literature has been expressed. In a world in which commercial and industrial activity becomes increasingly important, so too, do the languages of that activity. In non-Arabic lands the Arabic language is going the way of medieval Latin because youth prefer a different second language and, except for the linguistically gifted, there is not enough time to master a third language.

This poses a problem on which the traditionalists and the modernists can never meet, for if Islam cannot really be understood except by those who have mastered Arabic, then a gulf will always exist between the rulers of the State and the interpreters of the faith - a distinction that theoretically, at least, is inconceivable in Islam. [Page 218-219]

یہ بات غور کے قابل ہے کہ کیا عربی و فارسی سے ناواقف جاوید اقبال اجتہاد کا حق رکھتے ہیں؟ اور کیا شارح کلام اقبال اور فکر اقبال کہلا سکتے ہیں؟ جاوید اقبال کی کتاب ''اپنا گریباں چاک'' پر مشفق خواجہ کا تبصرہ جو ایک ذاتی خط میں کیا گیا اس عقدے کو نہایت شگفتگی سے حل کر دیتا ہے۔ تحسین فراقی کا معرکہ آراء مضمون جو کتاب کی تقریب رونمائی میں جاوید اقبال کی زیر صدارت پڑھا گیا پاکستان کے کسی علمی و تحقیقی جریدے میں ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ اس مضمون کا مطالعہ بہت سے دریچے کھولتا ہے۔ ادارہ]

بانگِ درا کا پہلا مکمل انگریزی ترجمہ: اغلاط کا دفتر

جسٹس جاوید اقبال نے ''عبرتناک ترجمے'' کی تحسین کی ہے

پروفیسر ڈاکٹر تحسین فراقی

اگر میں یہ کہوں کہ کسی بھی زبان کے شعر پارے کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے تو یہ بات پیش پا افتادہ اور پامال ہونے کے باوجود صداقت کی حامل ضرور ہے، خصوصیت کے ساتھ بڑی شاعری کا ترجمہ تقریباً ناممکنات میں سے ہے۔ محمد حسن عسکری نے ایک جگہ لکھا ہے کہ بادیلیئر کے انگریز مترجم روجر فرائی نے اس کی شاعری کا ترجمہ تو کر دیا لیکن شاعری بادیلیئر ہی کے پاس رہنے دی۔ یہ جملہ بہت بلیغ اور لطیف ہے اور مترجم کی مشکلات کی جانب متوجہ کرتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اعلیٰ شاعری محض خیال سے وجود میں نہیں آتی۔ اس کو وجود میں لانے کے لیے شاعر لاتعداد اسلوبیاتی حربوں سے کام لیتا ہے تاکہ خیال کی رفعت کو لفظ کے اعلیٰ اور مؤثر ترین پیکر میں ڈھال سکے۔ اقبال کو بھی اپنی عظمت فکر اور عُلوِ خیال کا بخوبی احساس تھا، جبھی تو انھوں نے کہا تھا:

در نمی گنجد بجو عُمّانِ من بحرہا باید پئے طوفانِ من

یہ ممکن ہے کہ شعر میں موجود کسی خیال کو کسی دوسری زبان میں منتقل کر دیا جائے لیکن اس خیال کو مؤثر اور کڑی کمان کا تیر یا تیز دھار نشتر بنانے کے لیے شاعر جن علامتوں، استعاروں، محاوروں، اصطلاحوں اور خصوصیت کے ساتھ حروف و کلمات کی اصوات سے کام لیتا ہے، انھیں کیسے دوسری زبان میں منتقل کیا جاسکتا ہے خصوصاً ایک ایسی زبان میں جو اپنا ایک الگ تہذیبی، ثقافتی اور لسانی مزاج رکھتی ہو؟ علاوہ ازیں مترجم کے لیے محض زبان کا جاننا ضروری نہیں۔ اس کا مطالعہ وسیع، ذوق سلیم اور متخیلہ بھی بالیدہ اور بلند بال ہونا چاہیے تاکہ وہ شاعر کے مزاج و وجدان سے ہم رشتہ ہو کر اس کے تخیلاتی تموجات کو محسوس اور منتقل کر سکے۔ مشہور نقاد جارج سینٹس مبری نے رباعیاتِ عمر خیام کے دیباچے میں ایک بڑا معنی خیز جملہ لکھا تھا: "Gerald is Omar Khayyam" جس کا مطلب یہ تھا کہ جیرلڈ نے اپنی ذات کی نفی کر کے خود پر عمر خیام کی تخلیقی شخصیت کو حاوی کر لیا تب جا کر وہ ماہر

مترجم بن سکا۔ بہرحال اتنا کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ترجمہ اصلاً تو محض ترجمانی یا Approximation ہوتا ہے چنانچہ اسے اصل ماخذ کی حیثیت سے نہ پیش کیا جاسکتا ہے نہ قبول کیا جاسکتا ہے۔ تصنیف اور چیز اور ترجمہ چیزے دگر۔ یہ الگ بات ہے کہ ترجمہ ہر عہد کی اور خصوصاً متمدن عہد کی بڑی مجبوری ہے اور رہا ہے اور اس سے مفر نہیں۔

اقبال اس اعتبار سے تو یقیناً نہایت خوش قسمت شاعر ہیں کہ ان کی شاعری کے خاصے بڑے حصے کا دنیا کی بڑی اور اہم زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے مگر یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اقبال جیسی اعلیٰ درجے کی جامعیت رکھنے والی شخصیت کی شاعری کو کسی بھی زبان میں ترجمہ کرنا ہے نہایت مشکل کام۔ یہی وجہ ہے کہ مترجموں نے متعدد مقامات پر ٹھوکریں کھائی ہیں اور ان سے بعض جگہ فاش اغلاط ہوئی ہیں۔ اس ضمن میں چند مثالیں پیش کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ نکلسن ہی کو لیجیے۔ اس نے اقبال کی اسرار خودی کا انگریزی ترجمہ ۱۹۲۰ء میں کیا اور اقبال کو اس کا شائع شدہ نسخہ بھیجا۔ اقبال نے اس پر جابجا جو اصلاحیں دیں، خوش قسمتی سے آربری نے انھیں Notes on Iqbal's Asrar-e-Khudi کے زیر عنوان محفوظ کر دیا۔ اس مختصر کتاب سے نکلسن جیسے مشہور مستشرق کی نارسائیوں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اقبال نے اسرار کے ابتدائی اشعار میں ایک جگہ لکھا تھا:

پیر گردوں بامن ایں اسرار گفت　　از ندیماں راز ہانتواں نہفت

نکلسن نے ''پیر گردوں'' کی اضافت تشبیہی سے دھوکا کھا کر پہلے مصرعے کا انگریزی میں یوں ترجمہ کیا:

"The old Guru of the sky taught me this lore" اقبال نے اس کی اصلاح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں صرف "Heaven" کا لفظ آنا چاہیے۔ اسی اسرار میں ایک جگہ اقبال کا ایک مصرع تھا ''شیشہ بر سر دیدہ بر نشتر بزن'' نکلسن نے شیشے کا ترجمہ Cupping-glass کیا تھا۔ جب کہ شیشہ جام نہیں بوتل یعنی goblet کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ نکلسن کے سلسلے میں کلاسیکی لطیفہ تو یہ ہے کہ اس نے اقبال کے شعر:

تا بکے دریوزۂ منصب کنی　　صورتِ طفلاں زِئے مرکب کنی

کے دوسرے مصرعے میں زِے کو ''زنے'' پڑھا اور اس کا ترجمہ یوں کر دیا تھا "And ride like children on a woman's back" اور یہ نہ سوچا کہ نَے سواری کیا ہے۔ درد کا شعر یاد آتا ہے:

ظالم یہ صیدِ دل سر فتراک میں ترے　　اس وقت سے بندھا ہے کہ تو نَے سوار تھا!!

یہ ہے کسی دوسری تہذیب کے مخصوص اوضاع کو نہ جاننے کا المیہ!

اقبال کے ایک اور معروف مترجم نے، جو ایک مدت تک پاکستان میں رہے، بانگ درا کی ایک درجن نظموں کا انگریزی ترجمہ کیا، میری مراد ڈاکٹر ایچ ٹی سورلے سے ہے۔ انھوں نے اقبال کے اس مصرع: ''ستارے آسماں پر بے خبر تھے لذتِ رم سے'' کی ترکیب میں ''لذتِ رم'' کا ترجمہ "Taste of rum" کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یہاں لفظ ''رم'' گنے کے خمیر کردہ رس یا راب سے بنائی جانے والی شراب کے معنوں میں

استعمال ہوا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے لاہور سے ایک کتاب "Rumi's Impact on Iqbal's Religious Thought" شائع ہوئی تھی جس کے مصنف نے اقبال کے ایک فارسی شعر:

بیا کہ من خم و پیر روم آور دم　　مئے سخن کہ جواں تر زبادۂ عنبی است

میں مستعمل ترکیب ''بادۂ عنبی'' کو ''بادۂ غبی'' پڑھا تھا اور اس کا ترجمہ کیا تھا "Liquor of Ghabi" ص۹۹۔ اس طرح کی اور متعدد مضحکہ خیز مثالیں ہیں فی الحال ان سے صرفِ نظر کرتا ہوں۔

اب تک اقبال کی بانگِ درا کی منتخب نظموں کے انگریزی ترجمے ہوئے اور ہوتے رہے ہیں۔ الطاف حسین، وکٹر کرنن، آربری، صوفی اے کیو نیاز اور متعدد لوگوں نے اقبال کی بانگِ درا کی بعض نظموں کے انگریزی ترجمے کیے ہیں۔ بانگِ درا کی سب سے زیادہ نظموں کے ترجمے غالباً وکٹر جے کرنن نے "Poems from Iqbal" کے زیرِ عنوان اولاً ۱۹۴۷ء میں بمبئی سے کتابی صورت میں شائع کیے تھے اور اس میں شک نہیں کہ وہ اقبال کی نظموں کے بڑی حد تک کامیاب منظوم ترجمے تھے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ کیرنن کو قدم قدم پر صوفی غلام مصطفےٰ تبسم اور ڈاکٹر نذیر احمد کی رہنمائی حاصل رہی۔ اب ''بانگِ درا'' کا مکمل متن انگریزی زبان میں "Call of the Marching Bell" کے عنوان سے ترجمے کی صورت میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ کتاب کے مترجم ڈاکٹر ایم اے کے خلیل، ادب کے آدمی نہیں۔ وہ بنیادی طور پر ''شعبۂ جنگلات'' سے وابستہ رہے ہیں۔ لیکن کلام اقبال سے شغف نے انھیں ریٹائرمنٹ کے بعد اسے انگریزی میں ڈھالنے پر مجبور کیا اور یوں تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل یہ ترجمہ مع حواشی و تعلیقات وجود میں آیا۔

ڈاکٹر ایم اے کے خلیل نے کتاب کے دیباچے میں صراحت کر دی ہے کہ انھوں نے ''بانگِ درا'' کے مشمولات کو انگریزی نظم میں ڈھالنے کے بجائے نثر میں منتقل کیا ہے تاکہ اصل متن کی خوشبو اور خصائص مجروح نہ ہونے پائیں۔ البتہ انھوں نے اردو شعروں کو انگریزی نثر میں "Hemistichs" یعنی نیم مصرعوں یا زیادہ بہتر لفظوں میں لائنوں کی صورت میں ڈھال کر اوپر نیچے درج کیا ہے تاکہ نثر کے بجائے مصرعوں کا تاثر ابھر سکے۔ میرے خیال میں مترجم نے اچھا ہی کیا۔ اس کے نتیجے میں بانگِ درا کی بعض نظموں کے عمدہ نثری تراجم وجود میں آ گئے۔ صرف دو مثالیں ملاحظہ کیجیے۔ پہلے دیکھیے ''شکوہ'' کا ایک بند:

قوم آوارہ، عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز　　لے اڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز

مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز　　تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے　　طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لیے

The wandering nation is riding again towards Hijaz,

The teste of flight has carried the unfleged Nightingale

The fragrance of humility is restless in every lower-bud

Just start the music, Orchestra is recking the plectrum

Songs are restless to come out of the strings

Tur is impatient for burning in the same fire". (p.253)

(ب)حسن وعشق

جس طرح ڈوبتی ہے کشتیٔ سیمیں قمر　　نور خورشید کے طوفان میں ہنگام سحر

جیسے ہوجاتا ہے گم نور کا لے کر آنچل　　چاندنی رات میں مہتاب کا ہم رنگ کنول

جلوۂ طور میں جیسے ید بیضائے کلیم　　موجۂ نکہتِ گلزار میں غنچے کی شمیم

ہے ترے سیلِ محبت میں یونہی دل میرا

Just as the moon's silver boat is drowned

In the storm of sun's light at the break of dawn

Just as the moon like lotus disappears

Behind the veil of light in the moon-lit right

Just like the Kalim's radiant palm in the Tur's effulgence

And the flower-bud's fragrance in the wave of garden's breeze.

Similar is my heart in the flood of thy love. (p:185)

ان دونوں مثالوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مترجم کو انگریزی زبان پر خاصی دسترس ہے اور وہ شاعر کے اسلوب کو بہت حد تک ایجاز کے ساتھ انگریزی میں ڈھالنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے مترجم یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کتاب میں متعدد مقامات پر احساس ہوتا ہے کہ مترجم اقبال کے مفہوم کو یا ان کی بعض اصطلاحات اور تلمیحات کو نہیں سمجھ پائے اور بعض جگہ تو ان سے اس باب میں نہایت افسوسناک غلطیاں ہوئی ہیں۔ مترجم نے خود بھی دیباچے میں لکھا ہے کہ انھیں ان کی اس طرح کی اغلاط سے آگاہ کیا جائے چنانچہ افادے اور عبرت کے لیے ذیل میں صرف بڑی اغلاط کی نشان دہی ہی کی جاتی ہے:

[۱] عدم کو قافلۂ روز تیز گام چلا.....شفق نہیں ہے یہ سورج کے پھول ہیں گویا (کنارِ راوی، ص۹۶)

مترجم نے ''سورج کے پھول'' کا ترجمہ "Sun's flower" کر دیا۔ حالانکہ یہاں ''پھول'' فلاور کے معنی میں نہیں بلکہ چتا کی راکھ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اسی سے ''عدم'' کے ساتھ اس کی مناسبت پیدا ہوئی ہے۔

[۲] الٰہی عقلِ خجستہ پے کو ذرا سی دیوانگی سکھا دے.....اسے ہے سودائے بخیہ کاری مجھے سر پیرہن نہیں ہے۔ [بانگ۔ص۱۴۳]

اس شعر کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

O God! Teach a love to my happy intellect

It loves fine sticthing but my shirt has no collar

اس ترجمے میں ''عقلِ خجستہ پے'' کا ترجمہ Happy Intellect غلط محض ہے اور ''سر پیرہن'' کا ترجمہ "My shirt has no collar" مضحکہ خیز ہے۔ کون نہیں جانتا کہ یہاں ''سر'' خیال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

[۳] رختِ جاں بتکدۂ چیں سے اٹھالیں اپنا......سب کو محورِخ سعدیٰ وسلیمی کردیں [بانگ، ص ۱۴۰]

مترجم نے پہلے مصرعے کی ''سعدیٰ'' کو ''سعدی'' پڑھا اور ترجمے میں نہ صرف سعدی لکھا بلکہ سعدی شیرازی پر ایک مفصل سوانحی نوٹ بھی لکھ ڈالا۔ انھیں یہ نہیں معلوم کہ سلیمی، سلمٰی، سعاد اور دیگر محبوبانِ عرب کے ساتھ ساتھ سعدیٰ کا نام بھی عربی شاعری میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ کامل المبرد میں سے ذیل کا شعر دیکھیے:

وَ کُنتُ اِذَا مَاررتُ سُعدی بِاَرُضِھَا ارئ الارض تطوئ لیُ وَیدَنو لبعیدُھا

یعنی جب کبھی میں سعدی سے ملنے اس کی سرزمین میں جاتا تھا تو مجھے محسوس ہوتا تھا کہ زمین میرے لیے لپٹی جارہی ہے اور اس کا دور کا حصہ قریب آتا جارہا ہے۔

[۴] یک نظر کردی و آدابِ فنا آموختی......اے خنک روزے کہ خاشاکِ مرا واسوختی [بانگ، ص ۱۲۷]

مترجم نے ''اے خنک روزے'' کا ترجمہ "How cool the day" کیا ہے۔ حالانکہ خنک کا لفظ یہاں خوش یا اچھا کے معنوں میں آیا ہے۔ فارسی میں ناز خنک، ادائے خنک، گفتارِ خنک اور خوابِ خنک وغیرہ انھی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔

[۵] روح مشتِ خاک میں زحمت کشِ بیداد ہے......کوچہ گردِ نے ہوا جس دم نفس، فریاد ہے [بانگ، ص ۱۹۲]

دوسرے مصرع کا ترجمہ مضحکہ خیز ہے کیونکہ مترجم نے ''نے'' کا ترجمہ "reed" کرنے کے بجائے non-existance کیا ہے۔

[۶] غنی روزِ سیاہ پیرِ کنعان را تماشا کن............کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را [بانگ ص ۱۹۹]

مترجم نے پیر کنعان کا نہ صرف ترجمہ غلط کیا ہے۔ یعنی "the Saint of Kinan" بلکہ حاشیے میں لکھا ہے کہ اس سے مراد ''یوسفؑ'' ہیں۔

[۷] درغمِ دیگر بسوز و دیگراں راہم بسوز............گفتمت روشن حدیثے، گرتوانی دار گوش [بانگ ص ۲۰۹]

دوسرے مصرعے میں وارد ہونے والی ترکیب ''روشن حدیثے'' کا انگریزی ترجمہ "bright Handith" کیا گیا ہے جو مضحکہ خیز ہے۔ واضح رہے کہ Hadith کی ''ایچ'' Capital ہے جس کا صاف مطلب ہے کہ مترجم نزدیک اس سے مراد حدیث شریف ہے۔

[۸] نخلِ شمع استی و در شعلہ دود ریشۂ تو............عاقبت سنور بود سایۂ اندیشۂ تو [بانگ، ص ۲۲۹]

مترجم نے پہلے مصرع کے دوّد کو دُود پڑھا اور اس کا ترجمہ "Smoke" کردیا۔ اس سے یہ بھی

اندیشہ ہوتا ہے کہ مترجم اوزان کا شعور نہیں رکھتے۔

[۹] رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر..... یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد [بانگ، ص۲۷۴]

مترجم نے پہلے مصرعے میں ''رفتم'' کا ترجمہ "Went" کیا ہے۔ کاش انھیں معلوم ہوتا کہ رفتن بمعنی ''قصد کردن'' [دیکھیے بہار عجم، جلد دوم، ص۱۸] بھی فارسی میں مستعمل ہے۔ صائب کا شعر دیکھیے:

ہر چند صائب مے روم سامانِ نومیدی کنم زلفش بدستم می دہد سر رشتۂ آمالہا!!

[۱۰] جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا.....تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

مترجم نے پہلے مصرع میں مستعمل ترکیب ''انگارۂ خاکی'' کا ترجمہ "Earthly ember" کیا ہے حالانکہ اس سے مراد نقش ناتمام یعنی انسان ہے۔ اقبال نے ''اسرار'' میں بھی یہ لفظ انھی معنوں میں برتا ہے۔ یاد رہے کہ فارسی میں انگارہ کا یہی مفہوم ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

بود نقشِ ہستیم انگارۂ ناقبولے، ناکسے، ناکارۂ

[۱۱] دگر شاخِ خلیل از خونِ ما نمناک می گردد.....بہ بازارِ محبت نقدِ ما کامل عیار آمد [بانگ، ص۳۱۵]

''دگر شاخ خلیل'' کا ترجمہ "The other branch of Khalil" لیا گیا ہے۔ حالانکہ یہاں لفظ ''دگر'' ''دوبارہ'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

[۱۲] سرت گردم تو ہم قانونِ پیشیں ساز دہ ساقی.....کہ خیلِ نغمہ پردازاں قطار اندر قطار آمد [بانگ، ص۳۱۴]

یہاں ''قانونِ پیشیں'' کا ترجمہ "Sing the future's song" کیا گیا ہے جو قطعی غلط ہے۔ ''قانون'' گیت یا نغمہ نہیں معروف ساز ہے جس کے بہت سے تار ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں ''پیشیں'' کا معنی ''سابقہ'' ہے، ''مستقبل'' نہیں۔

[۱۳] بانگ درا کی غزلیات میں ایک شعر ہے جو بہت معروف ہے:

آیا ہے تو جہاں میں مثالِ شرار دیکھ دم دے نہ جائے ہستی ناپائیدار دیکھ

[بانگ، ص۱۰۰]

مترجم نے اس شعر کے دوسرے مصرعے کا ترجمہ یوں کیا ہے: "Lest your ephemeral life may end suddenly, beware" اس دوسرے مصرعے کے ترجمے میں شاعر کے مافی الضمیر کا مفہوم تو آ گیا مگر ''دم دینا'' جو اپنے اندر ایک لطیف ایہام رکھتا تھا ترجمے میں نہ آ سکا حالانکہ شاعر کے پیش نظر دراصل یہی دوسرا مفہوم یعنی ''دھوکا دینا'' تھا۔

[۱۴] اقبال کی ایک مشہور نظم ''شمع و شاعر'' کا ایک مصرع ہے: در طوافِ شعلہ ام بالے نہ زد پروانۂ [بانگ، ص۲۰۲]

اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: "Though I am circling the flame, no moth has hit its wing." یہ ترجمہ غلطِ محض ہے۔ ترجمے کا مفہوم یہ ہے گویا شاعر شعلے کا طواف کر رہا ہے۔ مترجم فارسی زبان سے بالکل ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔

[۱۵] بانگِ درا کی ایک نظم ''شیکسپیئر'' کا ایک شعر ہے:

برگِ گل آئینۂ عارضِ زیبائے بہار　　شاہدِ مے کے لیے حجلہ جام آئینہ

[بانگ، ص۲۸۳]

دوسرے مصرعے میں مستعمل ترکیب ''شاہدِ مے'' کا ترجمہ "Lover of wine" کیا گیا ہے جو سرتاسر غلط ہے۔ ''شاہدِ مے'' میں دراصل اضافتِ تشبیہی ہے اور لفظ ''شاہد'' یہاں ''حسینہ'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

[۱۶] اقبال کی بہت معروف طویل نظم ''طلوعِ اسلام'' کا ایک شعر ہے:

حرم رسوا ہوا پیرِ حرم کی کم نگاہی سے　　جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

[بانگ، ص۳۱۱]

پہلے مصرعے میں مستعمل ''پیرِ حرم'' کا ترجمہ "Priest's Short Sight" کیا گیا۔ مترجم پر واجب تھا کہ حاشیے میں وہ بتاتے کہ ''پیرِ حرم'' سے ''شریفِ مکہ'' مراد ہے۔

[۱۷] ''بانگِ درا'' کا آخری حصہ ظریفانہ کلام پر مشتمل ہے۔ اس کی نظم نمبر انیس میں اقبال نے حافظ کے ایک مشہور شعر کو تضمین کیا ہے۔ شعر یہ ہے:

دلقِ حافظ بچہ ارزد بہ میش رنگین کن　　وانگہش مست و خراب ازرہِ بازار بیار

[بانگ، ص۳۳۲]

پہلے مصرعے کا مفہوم واضح ہے کہ ''حافظ کی گدڑی ایک بے قدر و قیمت شے ہے سو اسے شراب سے رنگیں کر دے''۔ مصرعے میں مستعمل میش کا مشارالیہ حافظ نہیں اس کی گدڑی ہے۔ مترجم نے ''بہ میش رنگین کن'' کا ترجمہ "Colour him with wine" کیا ہے جو بالکل غلط ہے۔

[۱۸] اسی ظریفانہ کلام میں ایک مصرع ہے: حکم برداری کے معدے میں ہے دردِ لایطاق [بانگ، ص۳۳۴]

اس مصرے میں مستعمل ''حکم برداری'' کا ترجمہ "Obedience" کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ مینڈیٹ "mandate" ہے۔

اس انگریزی ترجمے میں ایک بڑی کمی یہ ہے کہ اس میں بانگِ درا میں استعمال ہونے والی بعض تراکیب یا تلمیحات کا ترجمہ ہی نہیں کیا گیا۔ مثلاً اقبال کے ایک شعر:

ہرے رہو وطنِ مازنی کے میدانو جہاز پر سے تمہیں ہم سلام کرتے ہیں

[بانگ،ص۱۴۹]

میں اٹلی کے انیسویں صدی کے مشہور قوم پرست لیڈر میزینی Mazzani کا ذکر کیا گیا ہے۔ مترجم نے اس شعر کی توضیح میں جو حاشیہ لکھا اس کا مفہوم یہ ہے: ''اس سے اقبال کی حب الوطنی کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب وہ ہندوستان سے روانہ ہو رہے تھے''۔ حالانکہ یہ شعر اقبال کے سہ سالہ قیام یورپ سے ہندوستان واپسی پر ۱۹۰۸ء میں کہا گیا تھا۔

زیرِ نظر کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں مترجم اقبال کی حیات، ان کے عہد اور ان کے فلسفے کو زیرِ بحث لائے ہیں مگر یہاں بھی بعض اشعار یا ان میں مستعمل بعض الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں انھوں نے جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں۔ مثلاً باب دوم کے آغاز ہی میں انھوں نے سعدی کے ایک حکیمانہ شعر:

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید ودر شورہ بوم خس

کا انگریزی ترجمہ درج کیا ہے اور دوسری سطر میں ''خس'' کا ترجمہ "thorns" کیا ہے حالانکہ ایک واجبی پڑھا لکھا بھی جانتا ہے کہ خس، گھاس، یا اس کے پیچیدہ اور گرہ دار ریشوں کو کہتے ہیں۔

اپنی مشہور مثنوی ''پس چہ باید کرد مع مسافر'' میں اقبال نے ایک جگہ ترکانِ عثمانی کی بیداری پر اور ترکانِ تیموری کے زوال پر مسرت اور دکھ کے ملے جلے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا:

در فشِ ملتِ عثمانیہ دوبارہ بلند چہ گوئمت کہ بہ تیموریاں چہ افتاد است

[کلیات اقبال،ص۸۶۰]

اس میں پہلا مصرع خبر یہ ہے یعنی یہ کہ ملتِ عثمانیہ کا علم دوبارہ بلند ہو گیا یا ہو رہا ہے۔ مترجم نے اس مصرعے کا ترجمہ یہ کیا ہے: "Raise the Banner of Uthmani Khilafah Again" جو بالکل غلط ہے۔ کیونکہ مصرعے میں کہیں حکم کا ایما نہیں پایا جاتا۔

اسی مثنوی میں اقبال نے حکیم سنائی پر والہانہ انداز میں اشعار کا ایک سلسلہ رقم فرمایا تھا۔ ایک شعر یہ ہے:

اے حکیمِ غیب امام عارفاں پختہ از فیض تو خامِ عارفاں

[کلیات اقبال فارسی،ص۸۶۳]

مترجم موصوف نے دوسرے مصرعے میں مستعمل لفظ ''خام'' کو ''خادم'' پڑھا اور یہ نہیں سوچا کہ مصرع وزن سے خارج ہو گیا۔ چنانچہ ترجمہ داغ دیا: "Matured by your grace is this servant of the gnostics"۔

علامہ نے اپنے سفر افغانستان میں سلطان محمود غزنوی کے مزار پر بھی حاضری دی اور اس کے جذبۂ جہاد اور دیگر فضائل کا ذکر کرتے ہوئے یہ دو شعر بھی کہے جو مثنوی مسافر میں موجود ہیں:

برقِ سوزاں تیغ بے زنہار او　　دشت وور لرزندہ از یلغارِ او
زیرِ گردوں آیت اللہ رائتش　　قدسیاں قرآں سر ابر تر بتش

[کلیاتِ اقبال،ص ۸۶۷]

پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں برتی گئی ترکیب ''تیغ بے زنہار'' کا ترجمہ مترجم نے "Indefensible Sword" کیا اور دوسرے شعر کے پہلے مصرعے میں مستعمل ترکیب ''آیت اللہ'' کا ترجمہ "The Holy Quran" کیا۔ واقعی شعر فہمی عالمِ بالا معلوم شد!

''ارمغانِ حجاز'' کے ایک قطعے کا دوسرا شعر ہے:

میانِ کارواں سوز و سر ورم　　سبک پے کرد پیرانِ کہن را

[کلیات اقبال،ص ۱۰۱۷]

ظاہر ہے ''پیرانِ کہن'' سے مراد ''پیرانِ فرتوت'' یا مجازاً کہنہ قدروں کے پرستار ہیں۔ مترجم نے اس ترکیب کا ترجمہ کیا ہے: "Old religions leaders"۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے!! ارمغانِ حجاز کا ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

ز قرآن پیش خود آئینہ آویز　　دگر گوں گشتہ، از خویش بگریز
ترازوئے بنہ کردارِ خودرا　　قیامت ہائے پیشیں رابر انگیز

[کلیات اقبال،ص ۹۵۵]

دوسرے مصرعے کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: "from yourself escape when you fell change" اقبال تو یہ فرما رہے ہیں قرآن کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ تجھے اندازہ ہوجائے گا کہ تیری کیا حالت ہوچکی ہے اور مترجم اس کا ترجمہ فرما رہے ہیں: "When you fell change"

رموز بےخودی کے آخر میں اقبال نے سرورِ کائناتؐ کے حضور عرضِ حال کی ہے۔ وہاں ایک شعر یہ ہے:

خشک گرداں بادہ در انگورِ من　　زہر ریز اندر مئے کافورِ من

[کلیات اقبال،ص ۱۶۸]

مترجم نے ''مئے کافور'' کا ترجمہ "pure wine" کیا ہے جو درست نہیں! ''طلوعِ اسلام'' کا ایک شعر ہے:

ولایت، پادشاہی، علم اشیاء کی جہانگیری　　یہ سب کیا ہیں فقط ایک نکتۂ ایماں کی تفسیریں

[بانگ،ص ۳۰۹]

بالکل واضح ہے کہ پہلے مصرعے میں لفظ ''جہانگریزی'' تصرف کے معنوں میں آیا ہے۔ مترجم نے ''علم اشیاء کی جہانگیری'' کا ترجمہ "the universality of material knowledge" کیا ہے جو قطعاً

نادرست ہے۔

''مثنوی پس چہ باید کرد'' میں ''فقر'' کے زیرعنوان اقبال نے بہت سے ناقابل فراموش شعر کہے ہیں۔انھی میں سے ایک شعر ہے:

فقر خیز گربانانِ شعیر بستہ فتراکِ اوسلطان و میر

[کلیات اقبال،ص۸۱۶]

مترجم نے ''بستہ فتراکِ او'' کا ترجمہ "Carrying in its saddle-bag" کیا ہے حالانکہ ''فتراک'' کوئی تھیلا نہیں بلکہ زین سے بندھی چمڑے کی مضبوط دھجیاں ہوتی ہیں جنھیں شکار بند کہتے ہیں اور جن سے شکار باندھ لیا جاتا ہے۔میرا خیال ہے "saddle-straps" موزوں متبادل ہوسکتا ہے۔

بانگ درا کی منظومات وغیرہ پر مترجم کے لکھے ہوئے بعض تعارفی کلمات اور بعض حواشی بھی گمراہ کن ہیں۔مثلاً اقبال کی مشہور نظم ''گورستانِ شاہی'' کا انھوں نے جو تعارف [ص۲۳۲] لکھا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ نظم کی داخلی شہادت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال جس شاہی قبرستان کا ذکر کر رہے ہیں ممکن ہے وہ ان [اقبال] کے شہر لاہور میں واقع ہو۔حالانکہ علامہ نے یہ نظم حیدرآباد دکن میں اپنے مختصر قیام کے دوران ''گنبدانِ قطب شاہی'' کی زیارت سے متاثر ہوکر لکھی تھی اور یہ ''مخزن'' کے جون ۱۹۱۰ء میں اقبال کے اپنے نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔مترجم نے مزید ستم یہ کیا اس نظم کے ایک مصرعے ''آہ عالمگیر یعنی وہ حصار'' میں مستعمل ترکیب ''جولان گاہ عالمگیر'' کا ترجمہ "the universal mustering-ground" کیا جو صریحاً غلط ہے۔''جولان گاہِ عالمگیر'' سے اقبال کی مراد اورنگ زیب عالمگیر سے ہے۔جس کے ہاتھوں گولکنڈہ کا قلعہ اور خود دکن تسخیر ہوا جہاں یہ عجوبہ روزگار قلعہ واقع ہے۔

بانگ درا میں ''داغ دہلوی'' کی وفات پر اقبال کی لکھی ایک رثائی نظم شامل ہے۔اس نظم کے دوسرے شعر میں اقبال نے داغ کے ممتاز معاصر امیر مینائی کا ذکر کیا ہے۔داغ سے پہلے امیر مینائی کا انتقال بھی [۱۹۰۰ء] میں دکن ہی میں ہوا تھا۔دونوں معاصروں کے رنگِ سخن اور مقام مرگ کی مماثلت کے باعث اقبال نے داغ کی وفات پر امیر مینائی کا بھی ذکر کیا تھا:

توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینائے امیؔر چشم محفل میں ہے اب تک کیف صہبائے امیر

[بانگ،ص۸۹]

مترجم کو امیر کے نام سے امیر خسروؔ کے ساتھ التباس ہوا اور انھوں نے اس نظم پر اپنے وضاحتی نوٹ میں امیر خسرو پر آٹھ سطریں سپردِ قلم فرمادیں۔پھر انھیں اچانک سوجھا کہ ہوسکتا ہے یہاں امیؔر سے مراد امیر مینائی ہوں چنانچہ اس گمان کے نتیجے میں ڈیڑھ سطر امیر مینائی کے حصے میں بھی آئی،شاباں چہ عجب گر بنوازند گدار!!

''بانگ درا'' کی معروف نظم ''عاشقِ ہرجائی'' کے آخر میں اقبال کا ایک بڑا توجہ طلب شعر ہے:

در بیابانِ طلب پیوستہ می کوشیم ما　　موجِ بحریم و شکستِ خویش برد وشیم ما

[بانگ، ص۱۳۰]

یہ شعر واقعتاً غالب کے ایک مشہور شعر کی یاد دلاتا ہے: مری تعمیر میں مضمر ہے ایک صورت۔ الخ۔ مترجم کو بھی یہ شعر یاد آیا چنانچہ اس نظم کے وضاحتی حواشی میں انھوں نے اس شعر کا انگریزی ترجمہ دیا ہے مگر افسوس انھوں نے پہلے مصرعے کے ''ہے'' کو is کے بجائے was میں بدل کر شعر کی وسعت اور آفاقیت کو ماضی کے ایک واقعے تک محدود کر دیا۔

بانگ درا کی ایک نظم کا عنوان ہے ''مسلمان اور تعلیم جدید''، مترجم نے ترجمے سے پہلے اس نظم پر ایک تفصیلی تعارفی نوٹ لکھا ہے جس میں اقبال کے بعض اشعار سے استشہاد کیا ہے۔ انھی میں ایک شعر ہے:

مکتب و مدرسہ جز درس نبودن ند ہند　　بودن آموز کہ ہم باشی و ہم خواہی بود

چونکہ مترجم فارسی زبان کی مبادیات سے بھی آگاہ نہیں اس لیے انھوں نے خواہی بود کو صیغۂ مستقبل سمجھنے کے بجائے اسے خواستن کا صیغۂ مضارع سمجھا اور اس کا ترجمہ یوں کیا: "Learn to be that you may be and want to be" ''بانگ درا'' کی ایک غزل کا ایک شعر ہے:

یہ لسان العصر کا پیغام ہے۔ ان وعداللّٰہِ حقٌ یاد رکھ [بانگ ۳۲۲] اس شعر کا دوسرا مصرع اکبر الہ آبادی کا ہے۔ اور پہلے مصرعے میں ''لسان العصر'' کی ترکیب اکبر الہ آبادی کے خطاب کے طور پر آئی ہے۔ مترجم نے ''لسان العصر'' کو اپنے حاشیے میں ''قرآن حکیم'' قرار دیا ہے۔ واقعی:

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

یہ اور اس طرح کی بعض بڑی فاش غلطیاں بانگ درا کے اس زیر نظر ترجمے اور اس پر لکھے گئے حواشی میں موجود ہیں۔ ان فاش غلطیوں سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مترجم کا فارسی، زبان و ادب کا مطالعہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان کا اردو ادب کا اور خود شعر اقبال کا مطالعہ بھی اطمینان بخش نہیں۔ اقبالیات سے ان کا مزعومہ لگاؤ اپنی جگہ اور کلام اقبال کو انگریزی زبان میں منتقل کرنے کے نیک جذبات بھی اپنی جگہ، مگر جس طرح بعض اوقات نیک جذبات سے برا ادب پیدا ہوتا ہے اسی طرح محض نیک جذبات سے عبرت ناک ترجمہ بھی جنم لیتا ہے۔ کاش ترجمے سے پہلے مترجم موصوف پورا ہوم ورک کرتے۔ شعر شناسانِ اقبال سے مسلسل مشورہ کرتے۔ شروح اقبال اور اقبالیاتی تنقید و تحقیق سے بھی مدد لیتے۔ موجودہ حالت میں یہ ترجمہ شعر اقبال کی خدمت نہیں معلوم ہوتا بلکہ ایک دفترِ بے معنی محسوس ہوتا ہے۔ خدا کرے وہ وقت جلد آئے جب اس ملک میں اقبالیات ''غریب کی جورو'' کے قابل رحم مقام سے اوپر اٹھ سکے۔ اب تک تو زیادہ تر صورت حال یہ ہے کہ:

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی　　اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی